امام جعفر صادق علیہ السلام اور آپ کا عہد

ڈاکٹر سید علی سلمان رضوی

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی زندگی کا ہر حصہ لائق توجہ اور ہر رخ تجزیہ و تحلیل کے قابل ہے۔آپ کی زندگی کا ہر گوشۂ علم اور ہر گوشۂ خاصیت اپنی جگہ خود اعجاز ہے ۔عربی زبان میں جعفر کے معنی وسیع نہر کے ہیں[۱] بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوا جعفر جنّت کی ایک شیریں نہر کا نام ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ آپ کا اسم مبارک جعفرؑ اسی مناسبت سے رکھا گیا تھا کہ آپ کے علوم و کمالات سے دنیا کے سبھی صاحبان علم استفادہ کریں گے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے چشمۂ فیوض و برکات سے یگانہ و بیگانہ ہر ایک تشنگان علوم سیراب ہوتے رہے۔امام جعفرؑ کے القاب میں فاضل، طاہر، قائم، صابر، مصدّق ،محقق، کاشف الحقائق وغیرہ سبھی قابل ذکر ہیں مگر مشہور ترین لقب صادقؑ ہے [۲]

مدینہ کی سرزمین پر ۱۷ ربیع الاوّل ۸۳ھ، [۳] بروز جمعہ صادق وامین کی شریعت کے سچے امانتدار حضرت امام جعفر صادقؑ جناب ام فروہ کے بطن سے اس وقت عالم ظہور میں جلوہ گر ہوئے جب بنی امیہ کے پانچویں ظالم و جابر حکمران عبد الملک بن مروان کی حکومت تھی۔ جناب ام فروہ محمد ابن ابی بکر کی اولاد سے تھیں [۴] محمد ابن ابی بکر حضرت علیؑ کے اصحاب میں سے تھے ۔حضرت علی علیہ السلام نے ان کے بارے میں فرمایا: ''محمد میرے اخلاقی و روحانی فرزند ہیں''۔محمد ابن ابی بکر کی والدہ اسماء بنت عمیس تھیں جو نہایت پرہیز گار تھیں اور ہمیشہ حضرت فاطمہ زہراؑ کی خدمت کرتی تھیں اور اسی خدمت پر انھیں افتخار حاصل تھا۔حضرت محمد ﷺ اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی تاریخ ولادت کا اتحاد اس بات کی غمازی کررہا ہے کہ نبی ﷺ کا یہ وارث تاریخی جہت سے نبوت کی ابتدا سے ہم آغوش ہے ۔یہ فال نیک ارباب علم و بصیرت کے لیے مژدۂ جان افزا ہے۔

خاندان بنی امیہ کے وہ حکمران جو امام جعفر صادق علیہ السلام کی ولادت سے ۱۲۲ھ تک رہے (جبکہ اموی سلطنت کا خاتمہ ہوگیا تھا) ان کے نام اور ان کی مدت مندرجہ ذیل ہے۔

۱) عبد الملک بن مروان: ۶۵ھ سے ۸۶ھ تک حکومت کے آخری تین سال وہ ہیں جو امام کی

ولادت ۸۳ھ کے بعد گزرے۔

۲) ولید بن عبد الملک: ۹ر سال اور ۸ر مہینہ۔

۳) سلیمان بن عبد الملک: ۳ر سال اور ۳ر مہینہ۔

۴) عمر بن عبد العزیز: ۲ر سال اور ۵ر مہینہ۔

۵) یزید بن عبد الملک: ۴ر سال اور ۱ر مہینہ۔

۶) ہشام بن عبد الملک: ۲۰ر سال۔

۷) ولید بن یزید بن عبد الملک: ایک سال۔

۸) یزید بن ولید: ۶ر ماہ۔

۹) ابراہیم بن ولید: ۲ر مہینہ یا چار ماہ۔

۱۰) مروان حمار: ۵ر سال اور چند ماہ۔

۱۳۲ھ میں بنی عباس سے شکست کھانے کے بعد اور ماہ ذی الحجہ میں قتل ہونے کے بعد بنی امیہ کی حکومت کا سلسلہ ختم ہوگیا۔

تقریباً ایک صدی تک بنی امیہ کی حکومت رہی اور یقیناً یہ دور تاریخ اسلام کا ایک تاریک ترین دور ہے۔ لوگوں کی کوئی قدر و قیمت اس کی نظر میں نہ تھی۔ سبھی مسلمان اور خاص کر اہل بیت علیہم السلام سخت ترین ماحول میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ بنی امیہ کے حکمرانوں سے عبد الملک نے ایک خطبہ لوگوں کو مخاطب کر کے کہا: ''جو کوئی مجھے تقویٰ اور پرہیز گاری کی دعوت دے گا میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔'' (کامل بن اثیر، ج ر ۴ ص ۵۲۱)

ایسے دور میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے کس طرح سے علم کے پھولوں سے گلشن کو سجایا؟ نہایت قابل غور و قابل ستائش ہے۔ انسان جس وقت پاک ضمیر، سالم عقل اور غیر جانبدار علم کے ساتھ صحیح اصول اور محکم قوانین کی روشنی میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی زندگی اور علمی شخصیت کا مطالعہ کریگا تو اسے یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ امام علیہ السلام معاشرے میں نظم ونسق قائم کرنے کے لیے آئے تھے۔ امام علیہ السلام کی زندگی ایک مشعل راہ ہدایت ہے جس میں پھڑکتی ہوئی نبض حیات، جگمگاتی ہوئی عقلیت و روحانیت، جدّت طراز افکار اور تازہ بہ تازہ احکام پائے جاتے ہیں۔ وہ زندگی کے تمام مراحل میں سبھی افراد کے لیے عملی نمونہ ہیں۔ ''ملل و النّحل'' کے مصنّف اور اہل سنّت کے

بزرگ عالم دین محمد بن عبد الکریم شہرستانی امام جعفر صادق علیہ السلام کے بارے میں کہتے ہیں کہ:

"ھو ذو علم غزیر و ادب کاملٍ فی الحکمة و زھد فی الدّنیا، و ورع عن الشھواتٍ" یعنی وہ علم، ادب وحکمت اور زہد و ورع اور تقویٰ میں مکمل ومنفرد تھے۔ ۴

تاریخ عالم میں دو شخصیتیں ایسی ہیں جنھیں منظّم طور پر علمی خدمت کرنے کا موقع ملا ہے اور جن کے علوم و کمالات سے ایک پورا مکتب خیال فیضیاب ہوا ہے۔ یونان کی تاریخ میں افلاطون اور اسلام کی تاریخ میں امام جعفر صادق علیہ السلام ۔مگر ان دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔افلاطون نے علمی شہ پاروں کو ایک مرکز پر جمع کرکے طالب علموں کے لیے ایک مدرسہ قائم کیا جو آج بھی افلاطون کے نام سے مشہور ہے مگر افلاطون کے اس مدرسہ کو وہ خصوصیات حاصل نہ ہوسکیں جو امام جعفر صادق علیہ السلام کے مدرسہ کو حاصل ہوئیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ افلاطون کے زمانے میں ذہن انسانی اس منزل کمال تک نہ پہنچا تھا جہاں دوسری صدی ہجری میں پہنچ گیا تھا اور اسی طرح افلاطون کے زمانے میں جن علوم کی تعلیم دی جاتی تھی وہ عہد حاضر کے ترقی یافتہ دور میں ایک سطحی بات سے زیادہ مرتبہ نہیں رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ افلاطون کے مدرسہ میں علم حاصل کرنے والے افراد اپنے استاد کے عقیدت مند اور مخلص شاگرد تھے لیکن امام جعفر صادق علیہ السلام کے مدرسۂ فکر کی نوعیت دیگر مکاتب فکر سے جداگانہ تھی ۔یہاں کے تشنگان علوم افراد صرف عقیدت مند نہ تھے بلکہ بیگانوں کی بھی ایک تعداد تھی۔یہاں ناپختہ دماغ اور کم ذہنوں کی تربیت نہ ہوتی تھی بلکہ یہاں پر بڑے بڑے عظما، فلاسفہ ومفکرین اور ائمہ مذاہب زانوئے تلمذ تہہ کرتے تھے۔

یہ کہنا حق بجانب ہے کہ علوم مختلفہ میں تغیّر و تبدّل کا انحصار ملک کے سیاسی ،سماجی اور معاشی حالات پر ہوا کرتا ہے۔اس سے علوم مختلفہ میں جدید رجحانات و امکانات کا وجود ہوتا ہے۔ ان رجحانات کے لیے کوئی تحریک مشعل راہ بن جاتی ہے ۔یہ تحریک سیاسی بھی ہوسکتی ہے اور سماجی بھی۔امام جعفر صادقؑ نے علمی تحریک کے ذریعے اپنے شاگردوں کے احساسات کو جھنجوڑ کے رکھ دیا تھا کیونکہ ان کا عزّ وقار،ظلم و جور سلطنت کی بھینٹ چڑھ چکا تھا۔مسلمانوں میں مایوسی،شکستہ خاطری اور احساس کمتری کے جذبات پائے جاتے تھے۔ ایسے پُر آشوب حالات میں امام جعفر صادقؑ نے امت مسلمہ کی فلاح و بہبود کے لیے نہایت جد وجہد سے اپنے علمی فرائض انجام دئے اور اپنی کوششوں کے ذریعے اپنی درسگاہ میں علم وفن کے مختلف شعبوں میں متعدد نامور افراد کی تربیت فرمائی مثلاً علم فقہ

میں زرارہ اور محمد بن مسلم۔ قاعدہ اور علم کلام میں ہشام اور مومن الطاق۔عرفان اور معارف اسلامی میں مفضل اور صفوان۔ریاضی اور سائنسی علوم میں جابر بن حیان اور ان کے علاوہ بہت سے شاگرد مختلف علوم وفنون سے واقف ہوکر سارے جہان میں پھیل کر لوگوں کو تعلیم و تربیت کے زیور سے آراستہ کرتے رہے۔یہی وجہ ہے کہ امام جعفر صادقؑ کے مکتبۂ علم وفکر کے ذریعے اسلامی تعلیمات زندگی کے ہر شعبے میں سرایت کرنے لگیں۔عوام میں بیداری کی جھلک آنے لگی۔ اسلامی اخلاق و کردار سے لوگ آراستہ ہونے لگے ۔دنیا میں مسلمانوں پر اسلام کی حقیقت آشکار ہونے لگی۔ یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ حضرت امام سجّاد علیہ السلام کی شہادت کے وقت حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی عمر ۱۵؍سال تھی اور امام محمد باقر علیہ السلام کی شہادت کے وقت آپ ۳۴؍سال کے تھے۔ ۵ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد بنی امیہ کی حکومت میں دراڑیں پڑ گئیں اور لوگ اس واقعہ کربلا کی وجہ سے بنی امیہ کے دشمن ہوگئے اور اس طرح بنی عباس کی حکومت کے لیے راستہ ہموار ہو گیا۔ ان دونوں حکومت کے درمیان فاصلہ پیدا ہوجانے کی وجہ سے حقیقی اسلامی افکار کی نشر و اشاعت کا موقع ہاتھ آیا اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنی علمی تحریک کے ذریعے سے معارف اسلامی کو یوں پھیلایا کہ وہ تمام اہل جہان تک پہنچ گئے۔ یورپ کے دانشوروں نے بھی امام جعفر صادقؑ کی تعلیمات پر تحقیق وجستجو کا کام شروع کرنے کے بعد متعدد کتابیں تحریر کیں۔ یہ تمام اہم کارنامے ، فضیلت امامؑ کا صرف ایک گوشہ ہیں۔ یہ بھی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ دوسری صدی کا قائم شدہ مدرسہ آج بھی اپنی آب وتاب کے ساتھ بالعموم ساری دنیا میں اور بالخصوص نجف اور ایران کے شہر قم میں علمی خدمت انجام دے رہا ہے۔

امام جعفر صادقؑ نے علمی دنیا میں جو معرکہ آرا انقلاب برپا کیا ہے وہ اپنی جگہ بے مثال ہے۔ اگر امام جعفر صادق علیہ السلام علم وآگہی کے چراغ روشن نہ کرتے تو امت مسلمہ اپنے تشخّص کو برقرار رکھنے کی جنگ ہار جاتی مگر آج افسوس کا مقام یہ ہے کہ علم ہم سے رخصت ہوتا جارہا ہے۔ ہماری تہذیب ہم سے جدا ہوتی جارہی ہے۔ مذہبی اقدار، رواداری، اتحاد اور اتفاق کی طرف سے ہم منہ موڑتے جا رہے ہیں۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ کسی بھی قوم کے زوال کے لیے اس کی قوت فکر وعمل کا فنا ہو جانا ہی کافی ہے۔ امام جعفر صادقؑ علمی وفکری اعتبار سے ایسی عظیم شخصیت ہیں کہ جنھوں نے امت مسلمہ کی قوت فکر وعمل کو فنا ہونے سے بچا لیا۔ اور نامساعد حالات میں بے شمار

پریشانیوں اور مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے علم کے مرکز کی بنیاد ڈالی۔آج قوم کے حالات اگر کچھ بہتر اور علم کے ہر میدان میں اپنے نقش ثبت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں تو وہ محض امام جعفر صادقؑ کے لگائے ہوئے تعلیمی شجر کا ہی ثمرہ ہیں۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ تم ان بے شمار علوم مختلفہ میں ایسی مہارت کا ملہ حاصل کرو کہ حکومتیں تمہاری محتاج ہو جائیں''۔

امام جعفر صادقؑ کے افکار و خیالات کی روشنی میں یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ وہ ایک ایسے نظام تعلیم کے داعی اور علم بردار تھے جس میں علوم جدید اور علوم قدیم دونوں کا امتزاج بدرجۂ اتم موجود ہو، اور وقت کے تقاضوں کے مطابق امت مسلمہ کی نئی نسل خود کو پروان چڑھائے۔ جس کا نتیجہ اس انداز میں رونما ہو کہ امت مسلمہ کے فرزند جہاں مولوی، مجتہد اور قاضی القضاۃ کے عہدۂ جلیلہ پر فائز ہوں وہیں اپنی علمی صلاحیتوں کے ذریعے پوری دنیا کو اپنی مٹھی میں لیکر حکمرانی کرسکیں۔ یقیناً امام جعفر صادقؑ کی مستقبل شناس نگاہیں ہزاروں سال بعد کے مسلمانوں کو دیکھ رہی تھیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کے شاگردوں کے متعلق حافظ ابو العباس، ابن عقدہ ،شیخ مفید، شیخ محمد بن علی فتال، شیخ طبری، ابن شہر آشوب، علامہ حلّی وغیرہ کا بیان ہے کہ ان کی تعداد چار ہزار سے کسی طرح کم نہ تھی۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کے شاگرد وں کی نوعیت دو طرح کی ہے۔ایک وہ جو مذہبی اعتبار سے آپ کے مخالف رہے جن کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) ایوب بن تمیمہ ،متوفی ۱۲۱ھ ۔(۲) عبدالملک بن جریج ،متوفی ۱۴۹ ھ۔ (۳) ابوحنیفہ بن ثابت، متوفی ۱۵۰ھ۔ (۴) شعبہ بن حجاج ،متوفی ۱۶۰ھ۔ (۵) سفیان ثوری،متوفی ۱۶۱ھ۔ (۶) زبیر بن محمد، متوفی ۱۶۲ھ ۔ (۷) محمد بن فلیح مدنی ،متوفی ۱۷۷ھ ۔(۸) مالک بن انس ،متوفی ۱۷۹ھ۔ (۹) اسماعیل بن جعفر انصاری، متوفی ۱۸۰ھ ۔ (۱۰) حاتم بن اسماعیل ،متوفی ۱۸۰ھ ۔ (۱۱) ابراہیم بن سعد زہری، متوفی ۱۸۲ھ۔(۱۲)بشیر بن میمون خراسانی ،متوفی ۱۸۴ھ ۔ (۱۳) فضیل بن عیاض ، متوفی ۱۸۷ھ ۔ (۱۴)ابراہیم بن محمد مدنی، متوفی۱۹۱ھ ۔ (۱۵)حفص بن غیاث ،متوفی ۱۹۴ھ۔ (۱۶)عبد الوہاب بن عبد المجید ،متوفی ۱۹۴ھ ۔(۱۷) عبد العزیز بن عمران ، متوفی ۱۹۷ھ۔ (۱۸)سفیان بن عینیہ ،متوفی ۱۹۸ھ۔ (۱۹) یحیٰ بن سعید بصری، متوفی ۱۹۸ھ ۔ (۲۰) ضحاک بن

مخلد، متوفی ۲۱۴ھ۔(۲۱)عثمان بن فرقد بصری۔ (۲۲) عبد اللہ بن دکین۔ (۲۳) زید بن عطا۔ (۲۴)مصعب بن سلام کوفی۔ (۲۵)حارث بن عمیر۔ (۲۶)مفضل بن صالح کوفی وغیرہ۔

اس کے علاوہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے بلا واسطہ یا بالواسطہ ایسے بھی شاگرد تھے جو آپ سے روایتیں بیان کرتے تھے اور جو آخر وقت تک امامؑ کے مسلک پر قائم رہے۔ان کی تعداد ایک لامحدود حیثیت رکھتی ہے۔جیسا کہ علی ابن وشاء کا بیان ہے کہ میرے سارے علوم اور ساری روایتیں حضرت جعفر بن محمد علیہ السلام سے حاصل کی ہوئی ہیں۔یہی وہ شاگردان امام جعفر صادق علیہ السلام ہیں جن کی چار سو کتابیں مذہب شیعہ کی چار بنیادی کتابوں (استبصار، تہذیب، من لا یحضرہ الفقیہ، اصول کافی،) کا مآخذ تھیں۔جن میں سے بعض شاگردوں کے نام حسب ذیل ہیں : (۱)ہشام بن حکم (۲)ہشام بن سالم(۳)مومن طاق(۴)ابان بن تغلب(۵)ابان بن عثمان (۶) بکیر بن اعین (۷)جمیل بن درّاج (۸)حمّاد بن عثمان (۹)حارث بن مغیّرہ (۱۰)معلّیٰ بن خنیس (۱۱)زرارہ بن اعین (۱۲)عبدالملک بن اعین (۱۳) علی بن یقطین (۱۴) اسحاق بن عمار کوفی (۱۵)برید بن معاویہ (۱۶)ابوحمزہ ثمالی (۱۷) حمران بن اعین (۱۸)لیث بن بختری (۱۹) محمد بن مسلم (۲۰)یونس بن ظبیان (۲۱)عبداللہ بن مسکان (۲۲)عبداللہ بن بکیر (۲۳)حماد بن عیسیٰ (۲۴) فضیل بن یسار (۲۵)یونس بن عبد الرحمان (۲۶)صفوان بن یحییٰ (۲۷) محمد بن ابی عمیر (۲۸) عبد بن مغیّرہ (۲۹) حسن بن محبوب (۳۰) احمد بن محمد بن ابی نصر (۳۱)لیث بن البختری المعروف بہ ابوبصیر مرادی وغیرہ۔ [۶]

یہ بات سب ہی جانتے ہیں اور کسی سے پوشیدہ نہیں ہے کہ فقہِ اہل سنّت کے پہلے امام ابوحنیفہ کو اس بات پر فخر تھا کہ انھوں نے امام صادق علیہ السلام کے محضر درس میں دو سال گذارے ہیں۔انھیں دو برسوں کو اپنی تمام علمی موشگافیوں کی بنیاد قرار دیتے تھے اور کہتے تھے کہ "لولا السنتان لھلک النّعمان" اگر وہ دو سال نہ ہوتے تو نعمان (ابوحنیفہ) ہلاک ہوگیا ہوتا۔ [۷]

امام جعفر صادق علیہ السلام کے متذکرہ بالا شاگردوں کی تفصیلی معلومات کے لیے ''منتہی الآمال''، ''الامام الصادقؑ''، ''مراۃ العقول''، ''لسان المیزان''، ''میزان الاعتدال''، ''تذکرۃ الحفاظ''، ''مصباح الشریعۃ''، ''مفتاح العقیدہ''، ''علم وعقیدہ امام صادقؑ''، ''تاریخ بغداد'' وغیرہ کتابوں کا مطالعہ فرمائیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کی شخصیت وعظمت کے متعلق یہی کہنا حق بجانب ہے کہ آپ کے چار ہزار شاگردوں میں سے ایک بھی آپ کے اخلاق و کردار پر اعتراض نہ کر سکے اور نہ انھیں کوئی ضعیف پہلو نظر آیا۔ظاہر ہے کہ مشک آنست کہ خود ببوید نہ آن کہ عطار بگوید۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ دنیا میں کسی بھی مکتب فکر نے علم و دانش کو اتنی اہمیت نہیں دی جتنی امام جعفر صادق علیہ السلام نے دی ۔جو مقام و مرتبہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے طالبان علم و دانش کو عطا کیا وہ اپنی جگہ بے مثال ہے ۔اس کا اندازہ اسلام کی مختلف تعلیمات اور احکام سے بخوبی ہوتا ہے۔خصوصاً تعلیم وتعلّم کے سلسلے میں امام جعفر صادقؑ کی تاکید بہترین گواہ ہے۔ چنانچہ اس حدیث کو دیکھیں جس کے ذریعے علم و دانش کی تحصیل و ترویج اور مفید و غیر مفید علوم کے سلسلے میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے موقف کا اندازہ ہوتا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

''اے مفضّل ! ان چیزوں کو سمجھ لو جن چیزوں کے جاننے کے لیے پروردگار عالم نے انسان کے سامنے اسباب فراہم کردیئے ہیں ۔جن چیزوں کے جاننے میں انسان کے لیے دین و دنیا کی مصلحت پائی جاتی ہے اس کی راہیں کشادہ کر دی گئی ہیں چنانچہ وہ چیزیں جن کے جاننے میں انسان کی دینی مصلحتیں مضمر ہیں۔ ایک تو خود خلّاق عالم کی معرفت ہے جس کی نشانیاں پرودگار عالم نے اپنی مخلوقات کے اندر دلیل و شاہد کے طور پر ظاہر کی ہیں۔ دوسرے ان چیزوں کی جانکاری حاصل کرنا ہے جن کی بنیاد پر لوگ ایک دوسرے کے ساتھ عدل و انصاف کا سلوک کرتے ہیں۔ جس میں ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا، امانت کی ادائیگی کرنا، فقراء کا خیال رکھنا نیز اسی قسم کی دوسری چیزیں آتی ہیں۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن کا سمجھنا اور اقرار و اعتراف کرنا بلا امتیاز کفر و اسلام ہر انسان کی فطرت وطبیعت میں داخل ہے۔ اسی طرح وہ چیزیں جن کا جاننا دنیوی مصلحت کے تحت لازمی وضروری ہے اس کی جانکاری کی صلاحیت بھی انسان کو عطا کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر انسان مندرجہ ذیل امور کا علم حاصل کر سکتا ہے ۔زراعت و درخت کاری ، زمین شناسی و گلہ بانی ،جڑی بوٹیوں کی شناخت تاکہ اس کے ذریعے بیماریوں کا تدارک کیا جا سکے۔ کان کنی و معاون شناسی تاکہ مختلف قسم کے جواہرات کی تلاش کی

جاسکے۔ جہاز رانی اور دریائی سفر کے طور طریقہ نیز غوطہ خوری کا ہنر سیکھنا، مختلف قسم کے جنگلی جانوروں، پرندوں اور مچھلیوں کے شکار کا طریقہ جاننا ، طرح طرح کی صنعتی تدبیریں اختیار کرنا ، تجارت وحرفت کے مختلف انداز وطریقے اپنانا ، نیز اسی طرح کی دوسری بہت سی چیزیں ہیں جن کی اس دنیا میں انسان کو ضرورت پڑتی ہے۔جن کی فہرست طولانی اور تشریح تفصیل طلب ہے۔ بس مختصر طور پر یوں سمجھ لیں کہ جن چیزوں کی معلومات میں انسان کے لیے دین و دنیا کی بھلائی مضمر ہے ۔ خدا وند عالم نے ان کی جانکاری کی صلاحیت انسان کو ودیعت کی ہے ۔ البتہ جن چیزوں کا جاننا اس کے لیے مفید اور مناسب نہیں ہے یا اس کی طاقت سے ماوراء ہے ان سے انسان کو محروم رکھا گیا ہے۔ مثال کے طور پر ان ہی میں سے علم غیب یا ماضی ومستقبل کی جانکاری بھی ہے..... پس غور وفکر کا مقام ہے کہ خداوند عالم نے کس طرح ان تمام چیزوں کا علم انسان کو عطا کر دیا جو اس کی دینی اور دنیوی زندگی کے لیے لازم تصور کئے جا سکتے ہیں اور کس طرح بعض دوسری چیزوں کے علوم پر پردہ ڈال دیا تا کہ انسان اپنی حقیقت کو سمجھ کر اپنی کمزوریوں کا ادراک کر سکے اور یہ دونوں باتیں بہرحال انسانی بھلائی کے لیے کہی ہیں ....'' ۸

امام جعفر صادق علیہ السلام کی مذکورہ حدیث کے ذریعے اسلام کی نظر میں علم کے بلند مرتبہ اور عظیم مقام کا صحیح اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔اور ساتھ ہی امام جعفر صادق علیہ السلام کی وسعت فکر اور تبحر علمی کی نشاندہی بھی ہوتی ہے۔امامؑ کا نظریہ خالص علمی تھا۔ان کی نظر بہت تیز اور گرفت محکم تھی۔ انھیں ہر علم میں دستگاہ کامل حاصل تھی ۔حقیقت تو یہ ہے کہ آپ اسلام کے تمام مکاتب فکر کے موسّس اور بانی کی حیثیت رکھتے ہیں۔وہ کھرے کھوٹے کو پہچان لیتے ہیں ان میں ابہام نہیں بلکہ وضاحت وصفائی ہے۔ وہ مفہوم واضح کرتے ہیں اور علم کی قدر و قیمت متعیّن کرتے ہوئے فیصلہ بھی دیتے ہیں کہ علم کا مقام کیا ہے۔امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنی علمی تحریروں وتقریروں کے ذریعے عام طور پر مختلف طبقہ کے لوگوں کو الگ الگ مخاطب کیا ہے اور ان کے مناسب حال دعوت فکر وعمل دی ہے لیکن اسی کے ساتھ ان کی بہت سی قیمتی تحریریں ایسی بھی ہیں جو کسی خاص پس منظر میں لکھی گئیں یا جن میں کسی مخصوص طبقہ کو خطاب کیا گیا ہے۔

حسن بن زیاد کا بیان ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے شاگرد ابوحنیفہ سے سوال کیا گیا کہ دانشمند ترین اور فقیہ ترین کون لوگ ہیں تو ابوحنیفہ نے کہا کہ جعفر بن محمدؑ سے بہتر فقیہ نہیں دیکھا ہے جبکہ منصور نے انھیں بلایا اور مجھ سے کہا کہ لوگ جعفر بن محمد کے گرویدہ ہوئے جا رہے ہیں ان کے لیے سخت ترین مسائل تیار کرو۔ میں نے چالیس مسئلے آمادہ کیے اور پھر مجھے حیرہ سے بلایا گیا۔ میں پہنچا تو حضرت جعفر بن محمد موجود تھے۔ میں نے جیسے ہی آپ کو دیکھا تو ہیبت طاری ہوگئی۔ میں نے سلام کیا اور امامؑ کا حکم پا کر بیٹھ گیا۔

منصور نے امامؑ سے کہا کہ یہ ابوحنیفہ ہیں۔آپ نے فرمایا !ہاں۔ اس کے بعد مجھے حکم دیا کہ میں سوالات کروں۔ چنانچہ میں نے سوالات شروع کیے اور انھوں نے جوابات دینا شروع کر دیئے۔ جس کا انداز بیان اس طرح تھا : کہ تم لوگوں کی رائے یہ ہے ،اہل مدینہ کا خیال یہ ہے، اور ہمارا فتویٰ یہ ہے ۔کبھی امام جعفر صادقؑ کا فتویٰ کسی کے موافق ہوتا تھا اور کسی کے ناموافق ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ میں نے تمام سوال پوچھ لیے اور سچ تو یہ ہے کہ روایت کی بنیاد پر سب سے بہتر انسان وہ ہوتا ہے جو اختلافی مسائل پر زیادہ نظر رکھتا ہو۔ ۹

اس حقیقت سے سب اتفاق کرتے ہیں کہ امام جعفر صادقؑ ماہر تعلیم ،پیغامبر تعلیم اور مصلح قوم ہیں جنھوں نے بنی نوع انسان کو علم کی لازوال روشنی سے روشناس کرایا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے اخلاق کے سلسلے میں فلسفیوں کے کلام سے استفادہ نہیں کیا بلکہ آپ کے کلام کا سر چشمہ وحی قرآن ہے۔حقیقی فلسفہ و حکمت کی باتیں تو اصل میں قرآن اور ارشادات محمدؐ و آل محمد ﷺ کی ضیا پاشی کا نتیجہ ہیں ۔ جو شخصیتیں شبستان محمد مصطفیٰ ﷺ اورارشاد پیغمبرؐ کی چھاؤں میں زندگی کے مرحلے طے کریں وہ ارسطو و افلاطون جیسے فلسفیوں کے افکار سے بے نیاز ہوتی ہیں۔اخلاق انسانی کو استوار کرنے کے لیے بار بار دین اسلام نے متوجہ کیا ہے ۔یہ دین اسلام کی وہ خصوصیت ہے جو اس کو دوسرے تمام ادیان سے نہ صرف ممتاز کرتی ہے بلکہ اس کی بقا کی بھی ضامن ہے۔لہٰذا دین اسلام کو ''دین اخلاق'' کہنا نہایت ہی موزوں ہے۔

اخلاقیات سے امام جعفر صادق علیہ السلام کے لعل و گہر حدیث، اخلاق کی کتابوں میں بکھرے ہوئے ہیں ۔فقط تلاش و جستجو والی نگاہ چاہیے۔ سفیان ثوری اور ان کے ساتھیوں کو جو امام صادقؑ نے اخلاق کی تعلیم دی ہے وہ ہمارے دعوے کی بہترین دلیل ہے۔امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:

"خیر الناس من انتفع به النّاس "(لوگوں میں سب سے بہتر وہ ہے جو دوسروں کو فائدہ پہنچائے۔) اور آپ نے پیغمبرﷺ کی یہ حدیث پیش فرمائی: "من لم یهتم بامور المسلمین فلیس منهم" (جو مسلمانوں کے امور کا اہتمام نہ کرے وہ مسلمان ہی نہیں ہے۔)مختصر یہ کہ امام جعفر صادقؑ کی پوری زندگی حقیقی اسلام کا درس تھی۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا ابتدائی زمانہ انتہائی رنج ومحن اور مصائب وآلام میں گھرا ہوا تھا لیکن آپ نے کسی وقت بھی کلمۂ حق اور اعلان حقیقت سے انحراف نہیں کیا۔ اس کے باوجود بھی آپ لوگوں کو علنی طور پر ایسی بات سے آگاہ کرتے رہے کہ ظالمین کی اعانت کرنا، ان کے پاس اپنے مقدمات کا لے جانا اور ان کی حکومت سے راضی رہنا اسلام کے لیے شدید خطرہ ہے۔امام جعفر صادق علیہ السلام کا زمانہ معاشی،سیاسی ، معاشرتی اور تہذیبی انتشار کا انتہائی بدتر زمانہ تھا۔

اگر تاریخ کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو یہ واضح ہوگا کہ بنی امیّہ کی حکومت کا تختہ الٹنے کی کوششیں کوئی نئی نہیں تھیں بلکہ پرانی کوششیں تھیں۔ ان کوششوں کا آغاز معاویہ ہی کے زمانے میں ہو چکا تھا۔امام حسنؑ کی صلح کے بعد یزید کے زمانے میں امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد اور حجاز و یمن اور عراق میں انقلاب کی لہریں دوڑ گئیں۔ وہاں سے بڑھ کر خراسان تک یہ لہریں جا پہنچیں۔ پہلی کوشش انقلاب مدینہ کی بغاوت اور حرّہ کا ہولناک واقعہ تھا۔امویوں نے اگرچہ واقعہ حرّہ میں باغیوں کی تحریکات کو وقتی طور پر کچل دیا تھا لیکن اس کی خاکستر میں ایسی چنکاریاں چھپی رہ گئی تھیں جنھوں نے بعد میں دہکتے ہوئے لاوے کی شکل اختیار کر لی۔اسی طرح تحریک زور پکڑتی گئی احتجاج و انکار کی صدائیں پھیلتی گئیں اور ان صداؤں کی بازگشت نے رائے عامّہ میں ہیجان پیدا کر دیا یہاں تک کہ ان کی زندگی کی آخری گھڑیاں آپہونچی۔بغاوت کی آندھیاں چلنے لگیں۔جنگ کی آگ بھڑک اٹھی۔انقلابیوں کی بڑھتی ہوئی تحریک ساری مملکت اسلامیہ میں پھیل گئی۔اردن اور مصر میں بغاوت پھوٹ پڑی۔ وہاں کے لوگوں نے گورنر حفص بن ولید حضرمی کو مار ڈالا ۔اسی طرح اہل حمص نے اپنے گورنر عبد اللہ بن شجرہ کندی کا کام تمام کر دیا۔مدینہ والوں نے اپنے گورنر عبدالعزیز کو نکال باہر کیا۔خود ہی بنی امیّہ میں پھوٹ پڑ گئی۔شام میں گھماسان کا رن پڑا جس میں ۱۸/ہزار آدمی مارے گئے۔

سلیمان نے فلسطین میں بغاوت کر دی اور مروان جعدی (آخری اموی خلیفہ) پر چڑھائی

کر دی۔قنسرین میں جنگ ہوئی اور فریقین کے ۳۰ ہزار سے زیادہ آدمی مارے گئے۔اسی طرح عراق و رَے وغیرہ میں بہت سی لڑائیاں ہوئیں۔خراسان تو انقلابیوں کا مرکز بن گیا۔باغیوں کی تعداد وہاں ہر جگہ سے زیادہ تھی۔ ابومسلم خراسانی کی شوکت کافی بڑھ گئی تھی۔ہاشمی حکومت کی داغ بیل پڑ چکی تھی۔ یہاں یہ بات بھولنا نہ چاہیے کہ بنی امیہ کی حکومت کے زوال کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ قبائل میں سخت عصبیت پیدا ہوگئی تھی۔اندلس و خراسان وغیرہ میں یمانی اور مصری قبائل میں حرب و ضرب کی آگ بھڑک اٹھی تھی اور انھیں تمام باتوں کے نتیجے میں اموی حکومت کا بدترین انجام ہوا۔ بغاوت عمومی حیثیت سے اموی حکومت کی مخالفت میں تھی۔ بنی امیّہ نے امّت اسلامیہ کے ساتھ جو ظالمانہ برتاؤ کیے اور اہلبیتؑ پر جو مظالم ڈھائے، سارے ہی مسلمانوں کو اس کا غم و غصّہ تھا۔انھوں نے یہ سمجھا تھا کہ ہماری حکومت اسی طرح پائدار ہوسکتی ہے لیکن اس کا جو عبرتناک انجام ہونے والا تھااس کی طرف انھیں دھیان نہ ہوا۔آخر مسلمانوں نے انقلاب لانے کے لیے موثر اور کامیاب ذریعے استعمال کرنے کی رائے قائم کی ۔ایسا انقلاب جس کے نتیجے میں اسلامی سوسائٹی سنور سکے۔ کیونکہ امت کی نیک بختی اور اسلام کی قوت و طاقت کا دار ومدار خلافت اسلامیہ ہی پر ہے۔مسلمانوں پر یہ بات انتہائی شاق تھی کہ یہ خلافت بام عظمت سے انتہائی پستی میں جا گرے ۔طور طریقے بالکل الٹ پلٹ جائیں اور خلافت راشدہ کے بعد ایسے لوگوں تک خلافت پہنچ جائے جنھیں نہ دین سے کوئی واسطہ تھا نہ ہدایت سے کوئی سروکار۔ ایسے لوگ قساوت قلبی میں حد سے زیادہ بڑھے ہوئے تھے جن کے دلوں میں رحم و کرم کی شعاعوں کا گزر تک نہ ہوا۔وہ نہ کسی فریادی کی فریاد کو سنتے اور نہ مسلمانوں کے ساتھ ظالمانہ سلوک و برتاؤ کی روک تھام کرتے ہیں۔جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خداوند عالم نے ان لوگوں کا شیرازہ پراگندہ اوران کی جمعیت منتشر کردی۔ وہ دنیا کے لیے نمونۂ عبرت بن گئے۔ بالآخر وہ بری طرح تہہ تیغ ہوئے۔تلواروں سے جو مرد اور عورتیں بچ گئیں وہ جان بچانے کے لیے بدحواس و سراسیمہ بھاگ نکلیں۔ان لوگوں نے نوبہ کے شہروں میں پناہ لینی چاہی۔وہاں کے سردار نے انہیں نکال باہر کیا۔ پھر یہ لوگ کسی طرح یمن پہنچے۔غرض کہ یہ لوگ حیران وپریشان شہر بہ شہر پھرتے تھے اور کہیں پناہ نہ ملتی تھی۔عبیداللہ اور عبد اللہ اس جماعت کی قیادت کر رہے تھے۔جب عبداللہ بن علی دمشق میں پہنچاتو اس نے حکم دیا کہ بنی امیّہ کی قبریں کھود ڈالی جائیں۔معاویہ بن ابوسفیان کی قبر کھودی گئی تو صرف خاکستری رنگ کا ایک دھاگا سا نظر آیا۔عبدالملک کی قبر کھودی گئی تو کھوپڑی برآمد ہوئی۔یزید

بن معاویہ کی قبر کھودی گئی تو راکھ ملی۔ہشام بن عبدالملک کی لاش نکال کر اسے کوڑوں سے پیٹا گیا۔اور راکھ ہوا میں اُڑا دی گئی۔ ۱۰

سلیمان بن علی نے بصرہ میں بنی امیہ کی ایک جماعت کو قتل کیا۔ان کے پیروں میں رسّیاں بندھوا کر لاشیں کھنچوائیں اور سڑک پر ڈلوا دیا جنھیں کتّے کھا گئے۔ بہت سے افراد بنی امیّہ کے روپوش ہوگئے۔ جیسے عمر بن معاویہ بن عمر بن سینان بن عتبہ۔ اس کو کہیں امان نہیں ملتی تھی۔ المختصر یہ کہ اموی حکومت کے جو حامی تھے انہیں سخت سے سخت سزائیں دی جارہی تھیں۔نفسی نفسی کا عالم تھا۔گلیوں اور کوچوں میں اموی حکومت کے مخالفین چُن چُن کر قتل کر رہے تھے۔یہاں تک کہ مروان جعدی کی ہلاکت کے بعد بنی امیہ کی حکومت کا ورق الٹ گیا۔اس کی بیعت ۱۲۶ھ میں ہوئی تھی اور ۱۳۲ھ کے ماہ ذی الحجہ میں یہ قتل ہوا۔تفصیلی معلومات کے لیے'' کامل'' ان اثیر،حصہ دوم،جلد چہارم وپنجم کا مطالعہ فرماسکتے ہیں۔

ہمیں اس سے انکار نہیں کہ انقلابی تحریک اور بنی امیّہ کے خلاف بغاوت میں موالی کا بھی ہاتھ تھا۔ابومسلم خراسانی تو اس بغاوت کا سرغنہ ہی تھا۔اس نے بنی عباس کی حکومت قائم کرنے کے لیے لاکھوں آدمیوں کو تہہ تیغ کیا۔ ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ بنی حکومت کے خاتمہ کا سبب صرف موالی نہ تھے بلکہ بہت سے اسباب تھے۔جیسا کہ ہم اوپر اشارۃً ذکر کر چکے ہیں۔

اموی حکومت نے اپنے مخالفین کے احتجاج ومخالفت کی کوئی پرواہ نہ کی اورنہ ان فریادیوں کی صداؤں پر کوئی توجہ کی جو زنجیروں میں جکڑے، قید خانوں میں لگان وخراج کی گرانباری اور عمال اور سرداران قبائل کی بدسلوکیوں پر فریاد بلند کر رہے تھے۔ بنی امیہ کو اپنی جاہ و جبروت ،قوت وسطوت اور ایسے حکام سے کام لینے کا گھمنڈ تھا جو قساوت قلبی اور بیباکی میں مشہور تھے۔ان سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ اموی حکومت ہر مسلمان کے دل پر ایک بھاری پتھر اور ہر ایک انسان کے تخیل میں ایک دہشت ناک خواب تھا۔ اسی لیے اس حکومت کا تختہ الٹ دینے کے منصوبے بہت آسانی سے کامیاب ہوئے اور بنی امیّہ کے ہاتھوں سے نکل کر حکومت بنی عباس کے ہاتھوں میں آ گئی۔ ایک عہد ختم ہو رہا تھا اور ایک نیا عہد جنم لے رہا تھا۔یہ دور بہت ہی پرآشوب تھا جس میں امام جعفر صادقؑ کا مقابلہ بنی اُمیّہ کی جاتی ہوئی حکومت سے تھا۔ اس کے بعد زندگی کے دوسرے دور میں تمامتر سابقہ عباسیوں کی اٹھتی ہوئی سلطنت سے ہوا۔ اگر ایک طرف ہشام بن عبد الملک جیسے سفّاک ،ظالم و جابر نے حضرت

زید بن علیؑ کے قتل کے بعد محبت اہلبیتؑ کو نا قابل معافی جرم قرار دے دیا تھا جس کے باعث ہر سختی و ظلم کو واجب عینی قرار دیا۔ تو دوسری طرف منصور دوانقی نے اپنے زمانے میں بغض و حسد کی آگ روشن کر کے ۱۴۷ھ میں حج کے بہانے مدینہ جا کر ربیع کے ذریعے امام جعفر صادق علیہ السلام کی گرفتاری کا حکم دے کر یہ کہا کہ ''اگر آج میں نے انھیں قتل نہ کیا تو خدا مجھے قتل کردے''۔ [۱۱]

مجموعی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے ۸۳ھ سے ۱۳۳ھ تک پچاس سال بنی امیّہ کے دور حکومت میں گذارے اور اس درمیان کے شدائد و مظالم ،عوام کے ساتھ ان کا برتاؤ اور بلا خوف آخرت ہونے والے تمام اعمال کا بخوبی مشاہدہ کیا۔ ہر آن کسی کے چاہنے والے کے قتل اور کسی دوست کی شہر بدری کی خبریں کانوں سے ٹکرا رہی تھیں۔ ۱۲۲ھ میں یہ خبر ملی کی حضرت زید کو قتل کر دیا گیا اور ان کا جسم سولی پر لٹکا دیا گیا ہے اور پانچ سال تک جسم اقدس تختۂ دار پر رہا اور اس کے بعد اتار کر نذر آتش کر دیا گیا۔ پھر جناب یحیٰی بن زید کا منظر سامنے آیا۔ اس کے بعد اپنے والد بزرگوار اور جدّ نامدار کی زہر دغا سے شہادت دیکھی اور آئے دن ایک نئی خبر ،ایک نیا سانحہ رونما ہوتا رہا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے ان دونوں ادوار میں انتہائی مشکلات و مصائب کا مقابلہ کیا۔ بنی امیّہ کے دور میں امام جعفر صادق علیہ السلام بنی ہاشم کے سردار اور ختم المرسلین کے وارث ہونے کے سبب حکومت کی نظروں میں سمائے رہے۔ اسی طرح بنی عباس کے دور میں بھی آپ حکومت کی نظروں میں رہے۔ اس لیے کہ وہ حکومت آل محمدؐ کے نام پر حاصل کی گئی تھی ۔جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بنی عباس نے شہدائے کربلا کے بدلے اور بنی امیہ کے مظالم کے خلاف جہاد کے حیلے سے لوگوں کو اپنے گرد جمع کیا اور ایرانیوں کے ذریعے (جنھیں علیؑ اور اولاد علیؑ سے الفت و محبت تھی) مقابلہ کیا ۔ابو مسلم خراسانی کی مدد سے بنی امیہ کو میدان سے باہر نکالا اور امام وقت حضرت امام صادق علیہ السلام کو خلافت سپرد کرنے کے بجائے زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ ۱۳۲ھ کو جب بنی امیّہ کی حکومت ختم ہوگئی تو سفاح اور منصور اقتدار پر قابض ہوئے۔ یعنی ۱۳۳ھ سے ۱۴۸ھ تک (امام جعفر صادقؑ کی اسی سال شہادت واقع ہوئی) بنی عباس کے دو بادشاہوں نے حکومت کی۔

۱) ابو العباس سفّاح: ۲) منصور دوانقی

پہلے خلیفہ ابوالعباس نے چار سال حکومت کی اور دوسرے خلیفہ منصور دوانقی نے ۲۲ رسال،

یعنی امام جعفر صادق علیہ السلام کی شہادت کے دس سال بعد تک حکومت کی۔

مذکورہ دور میں نہ حقوق کا احترام تھا اور نہ نظم وضبط کا پاس ولحاظ۔ ہر ایک کا مشغلہ امّت پر ظلم وستم تھا۔ مال غنیمت کی جمع آوری ،کتاب وسنّت کی مخالفت، معاشرہ میں اختلاف پیدا کرنا جو اسلام کے حق میں انتہائی مضر اور مصلح کے واسطے انتہائی دشوار گذار تھا۔منصور اکثر و بیشتر شیعوں کو گرفتار کرکے زندان میں ڈال دیتا تھا۔ ہزارہا سیّدوں کو منصور نے قتل کرایا۔ان کے خون کے گاروں سے دیواریں تعمیر کرائیں یہی نہیں بلکہ بہت سے بے گناہوں کو زندہ دیواروں میں چُنوا دیا۔قیدخانوں میں سڑا سڑا کر مار دیا۔سب سے زیادہ تباہی و بربادی منصور کے دور سلطنت میں حسنی سادات پر آئی۔ کیونکہ منصور اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا کہ ہزاروں افراد آپؑ کی امامت کے معتقد ہیں۔ آپ کو اموال بھیجتے ہیں اورآپ کی عظمت و بزرگی کے قائل ہیں ۔عوام کو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے دور کرنے کے لیے منصور دوانیقی نے امام کے عصمت کدہ اور آس پاس کے گلی کوچوں کی نگرانی کے لیے جاسوس معیّن کر دئے۔کسی کو بھی ان اطراف میں آنے جانے کی ہمت نہ تھی۔سختیوں کی انتہا یہ تھی کہ امامؑ کے چاہنے والے دینی مسائل معلوم کرنے کے لیے پھیری والوں کے لباس میں چیزیں فروخت کرنے کے بہانے امام عالی مقام کے بیت الشرف تک جاتے اور مسائل دریافت کرتے۔لیکن اس کے باوجود ان کی گرفتاری کا ہر آن خدشہ پایا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ منصور کے پہلونشین افراد بھی امام علیہ السلام کی طرف میلان رکھتے تھے ۔ ایسے سخت مرحلوں میں بھی امام عالی مقام نے مشکلات کو برداشت کیا۔مگر ذلّت برداشت نہ کی۔تکلیفیں اٹھائیں لیکن ظالم نظام کے سامنے سرتسلیم خم نہیں کیا بلکہ عدل و انصاف کا پرچم لے کر مقابلے کیلئے کھڑے ہوگئے اور کامیابی حاصل کی۔یہی وجہ ہے کہ منصوردوانیقی ہر وقت آپ کوشہید کرنے کی تدبیر میں مصروف رہ کر اپنے وراثتی حالات کی بنا پر اظہار عداوت میں سرگرم عمل رہا۔مگر قدرت خداوندی اپنے فضل و کرم سے امام جعفر صادق علیہ السلام کی حفاظت کرتی رہی۔

منصور جب مختلف راہوں سے ناامید ہوگیا تو اس نے عوام کو اس طرح سے فریب اور دھوکا دینا شروع کیا کہ ہم بنی عباس آل پیغمبرؐ ہیں اور اپنے آپ کو رسولؐ اسلام کے حقیقی جانشین اور خلافت اسلامی کے اہل کے طور پر پیش کرنے لگا لیکن وہ خود اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ اس کا اہل نہیں بلکہ اس کے اہل اور لائق صرف فرزند رسولؐ ہیں۔ امام جعفر صادقؑ نے منصور کے اس دھوکے کا مقابلہ کیا اور

اپنے خط میں اس خاندان کو رسوا کر دیا۔ کچھ دنوں بعد منصور کی سیاست نے نئی کروٹ لی۔اس نے طے کیا کہ امام علیہ السلام کے بارے میں اپنا رویہ بدلنا چاہئے اور دوست کے بدلے بھیس میں آپ کے سامنے آنا چاہئے تاکہ محل میں امام جعفر صادقؑ کی آمد ورفت کے لیے راستہ ہموار ہو جائے اور پھر اس طرح امام علیہ السلام سے شیعوں کے ایک گروہ کی عقیدت ومحبت کو کافی حد تک کم کیا جا سکے۔ لہٰذا دوسرے گروہ کو اس غلط فہمی میں مبتلا کر دیا جائے کہ منصور کی حکومت برحق ،اور مرضئ خدا کے عین مطابق ہے کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو اسے کبھی بھی امام معصوم کی حمایت حاصل نہیں ہوسکتی تھی اور امامؑ ہرگز اسے قبول کرنے کی تلقین نہیں فرما سکتے تھے نتیجہ کے طور پر یہ دونوں ہی باتیں عباسی حکومت کے حق میں مفید ثابت ہوں گی۔ چنانچہ منصور نے امام عالی کو خط لکھا کہ:

"لم لا تغشانا کما یغشانا سائر النّاس "(آپ دوسرے لوگوں کی طرح ہمارے یہاں کیوں نہیں آتے۔) امام نے جواب میں تحریر فرمایا کہ "وما عندنا من الدّنیا ما نخافک علیه ولا عندنا من الآخرة ما نرجوک له ولا انت فی نعمة فنهنّئک ولا تعدّها نقمةً فنعزّیک علیها فلم نغشاک"۔(ہمارے پاس دنیا سے کوئی چیز ایسی نہیں جس کے لیے تجھے خطرہ ہو اور تیرے پاس آخرت سے کوئی چیز نہیں کہ جس کے لیے تجھ پر امید رکھیں ۔نہ نعمتوں سے زندگی بسر کر رہا ہے کہ ہم تجھے مبارک باد پیش کریں اور نہ ہی اپنے موجودہ حالات و کیفیات کو مصیبت و بلا تصور کرتا ہے کہ ہم تجھے اس کی اذیت دیں۔)امام علیہ السلام کا یہ جواب اگرچہ منصور کے لیے بیحد دندان شکن تھا لیکن آپ کی معنوی قدر ومنزلت اور معاشرے میں آپ کے گہرے اثر ورسوخ سے واقفیت کی بنا پر منصور نے اس جواب کو نظر انداز کیا اور امام علیہ السلام کی حمایت حاصل کرنے کی امید میں ایک دوسرا خط اس طرح تحریر کیا: " انّک تصحبنالتنصحنا"(آپ تشریف لائیں اور ہمیں نصیحت فرمائیں۔) امام علیہ السلام نے جواب میں تحریر فرمایا کہ: "فمن اراد الدّنیا فلا ینصحک ومن ارادالآخرة فلا یصحبک"۔یعنی جو اہل دنیا سے ہوگا وہ تجھے وعظ ونصیحت کرے گا اور جو اہل آخرت سے ہوگا وہ تیرے پاس نہیں آئے گا۔

جب منصور دوانقی یہ سمجھ گیا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام میری دعوت کو قبول نہیں فرمائیں گے اور دوستانہ تعلقات قائم نہیں کریں گے اور قصر خلافت میں کسی قیمت پر بھی آمد ورفت کا آغاز نہیں فرمائیں گے۔تو اس نے سختیوں میں اضافہ کر دیا۔آخر میں اس نے یہ فیصلہ کیا کہ امام علیہ

السلام کو زہر دغا کے ذریعے شہید کر دیا جائے تا کہ حقیقی اسلام کی نشر و اشاعت اور محبّان دوستداران اہلبیتؑ کی تعداد کی روزافزون ترقی کا سدّ باب ہو سکے۔ چنانچہ اس نے اپنے ناپاک منصوبے کو عملی جامہ پہنایا اور ایسے عظیم المرتبت امام جعفر صادق علیہ السلام کو ۶۵ رسال کی عمر میں ۲۵ رشوال المکرّم ۱۴۸ھ کو زہر دے کر شہید کر دیا۔ اور جنّت البقیع میں امام محمد باقر علیہ السلام کے پہلو میں سپرد خاک کیا۔ ۱۲

منابع و مآخذ:

۱ ''لغت نامہ'' دہخدا، شمارہ حرف 'ج' بخش دوم، ص ۱۴، ۔چاپخانہ دانشگاہ تہران، خرداد ۱۳۴۳ھ
''فرہنگ بزرگ جامع نوین'' تالیف احمد سیاح، ص ۱۹۴، چاپخانہ حیدری ،۱۳۷۰، بازار شیرازی تہران۔

۲ ''منتہی الآمال''، حاج شیخ عباس قمی، جلد دوم، ص ۲۳۳، چاپ ہشتم ۱۳۷۳ قم۔

۳ ''زندگانی چہاردہ معصومؑ'' (قربانیان عدالت) ص ۲۳۱۔ دکتر محمد رضا صالحی کرمانی ۔انتشارات انصاریان، قم ۱۳۷۰۔

''مرأۃ العقول''، شیخ الاسلام محمد باقر مجلسی، جلد ۶، ص ۲۶۔ دارالکتب الاسلامیہ تہران ۱۳۷۰۔

۴ ''مجموعۂ آثار'' جلد ۱۸، ص ۳۶۔ استاد شہید مطہری۔چاپ سوم: مرداد ،۱۳۸۱ ،انتشارات صدرا تہران ۔

۵ ''زندگانی چہاردہ معصومؑ'' (قربانیان عدالت) ص ۲۳۱۔ دکتر محمد رضا صالحی کرمانی ۔انتشارات انصاریان، قم ۱۳۷۰۔

۶ ''الامام الصادقؑ''، محمد حسین المظفر، ص ۱۳۸ تا ۱۷۹، چاپ بیروت، لبنان، ۱۳۹۷ھ۔ ۱۹۷۸م۔

۷ ''سیرۂ پیشوایان''، مہدی پیشوائی، ص ۳۵۹، موسّسہ امام صادقؑ قم ایران، تاریخ انتشار، زمستان ۱۳۷۹۔

۸ ''بحار الانوار''، شیخ الاسلام محمد باقر مجلسی، جلد ۳، ص ۸۲ و ۸۳۔ بہار ۱۳۶۲۔دار الکتب الاسلامیہ بازار سلطانی تہران ،

۹ ''زندگانی چہاردہ معصومؑ'' (قربانیان عدالت) ص ۲۴۸۔ دکتر محمد رضا صالحی کرمانی ۔انتشارات انصاریان، قم ۱۳۷۰۔

''بحار الانوار'' شیخ الاسلام محمد باقر مجلسی، جلد ۴۷،ص۲۱۷۔ بہار ۱۳۹۵ھ۔مکتبۃ الاسلامیہ، تہران۔
''الصادق والمذاہب الاربعہ، اسد حیدر ،جلد ۴، ص۳۳۵،طبع دوم،دار الکتاب العربی بیروت، ۱۳۹۰ھ۔
''تذکرۃ الحفاظ''، شمس الدین محمد ذہبی، ج/۱ ،ص۱۶۶، دار احیاء التراث العربی،بیروت۔
۱۰ ''تاریخ کامل'' ابن اثیر،جلد ۵،ص ۲۰۵۔
۱۱ ''فصول المہمہ '': مالکی، ص۲۰۷۔
۱۲ ''مجموعۂ آثار'' جلد ۱۸،ص۳۶۔ استاد شہید مطہری۔چاپ سوم: مرداد،۱۳۸۱ھ، انتشارات صدرا تہران ۔
''زندگانی چہاردہ معصومؑ'' (قربانیان عدالت) ص۲۴۲۔ دکتر محمد رضا صالحی کرمانی۔انتشارات انصاریان ،قم ۱۳۷۰ھ۔